ISSN PRINT: 2789-8776
ISSN ONLINE: 2789-8784

ZAUQ-E-TAHQEEQ
www.Zauq-e-Tahqeeq.com
editor@zauq-e-tahqeeq.com

ISSN PRINT: 2789-8776
ISSN ONLINE:2789-8784
Volume.6,Issue No.3 (2024)
(July to September)

منیر نیازی کی شاعری علم بیان کی روشنی میں

(کنایہ کے خصوصی حوالے سے)

In Reference to Munir Niazi's Poetry "Ilm Bayan"

(With Special Reference to Kanaya)

ڈاکٹر روبینہ یاسمین

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، سرحد یونیورسٹی آف سائنس اینڈ انفارمیشن ٹیکنالوجی، پشاور

ڈاکٹر صائمہ اقبال

اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اُردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد

محمد ارشاد

اسکالر ایم۔فل شعبہ اُردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد

Dr. Rubina Yasmeen
Assistant Professor, Department of Urdu, Sarhad University of Science and Information Technology, Peshawar
Dr. Saima Iqbal
Assistant Professor, Department of Urdu, GC University, Faisalabad
Muhammad Irshad
Scholar M. Phil, Department of Urdu, GC University, Faisalabad

Abstract:
Munir Niazi has also made social issues a subject in his poetry. Issues like poverty, hunger, injustice, and war are presented in his ghazals. A special feature of his poetry is the language he uses. His language is simple, smooth, and fluent, as well as rich in the qualities of "Eilam Biyan o Badi". "Kanaya" born from the essence of metaphor has been a requirement of some level for the poets of every era. In view of the requirements of the era, keeping in mind the subtlety or seriousness of the issues or to create shine in the beauty and beauty of the ghazal, the poets use "Kanaya" in the ghazal to hide and reveal things. In this article, Munir Niazi's poetry describes "Kanaya". Which can be a good measure of how well you have explained the problems of life through "Kanaya".

Keywords: Munir Niazi, poetry, Ghazal, poverty, hunger, injustice "Eilam Biyan o Badi". "Kanaya".

اُردو غزل ایسی صنف ہے جس میں طرز کلام کے لیے ایمائی پیرائیہ اختیار کیا جاتا ہے۔اُردو شاعری میں غزل روایت کا جائزہ لیا جائے تو اہل سخن نے نہ صرف مافی الضمیر بیان کیا ہے بلکہ اپنے مضمون کو علم بیان کے اوصاف سے مزین کیا ہے۔غزل بہ فکر کے ساتھ ساتھ فن کی اہمیت کو بر قرار رکھنے کی وجہ سے یہ صنف ہر عہد میں اپنی حیثیت منواتی رہی ہے۔اور یہ احساس فن اس کے اعتبار کا

باعث ہے۔ منیر نیازی کے نزدیک ان کی پہلی نظم "برسات" تھی۔ انہوں نے ایک نظم "بازگشت" کے نام سے بھی لکھی۔ ان نظموں کو ان کی شاعری کی ابتدائی نظمیں کہا جاسکتا ہے۔ اختر شمار اپنی رائے دیتے ہیں کہ: اسلامیہ کالج جالندھر کے مجلہ "مجاہد" میں منیر نیازی کی پانچ تخلیقات شائع ہوئیں۔ ان میں ایک غزل، ایک نظم کے علاوہ انگریزی نظم "ریسلنگ" بھی شامل تھی۔

منیر نیازی اصول پسند انسان تھے اور اپنے اصولوں پر سمجھوتہ نہیں کرتے تھے۔ ظلم و ستم کے خلاف آواز بلند کرنے کی ہمت رکھتے تھے اپنے ارد گرد ایک دیوار بنا رکھی تھی جس کو پار کرنے کی ہر کسی کو اجازت نہیں دیتے تھے۔ وہ دوسروں سے اپنے آپ کو الگ رکھتے تھے۔ منیر اُردو نظم کے ایک اہم شاعر ہیں وہ ابتدا میں مجید امجد کے زیر اثر تھے مگر اب انہوں نے اپنا لہجہ دریافت کر لیا ہے۔ منیر نیازی کی سوچ اور ان کی ذہنیت دوسرے لوگوں سے بہت مختلف تھی۔ مستقل طور پر نہ وہ کسی جگہ ملازمت کر سکے اور نہ ہی کسی ادبی تحریک کے ساتھ منسلک رہے۔ وہ اپنے ارد گرد کے ماحول سے واقفیت بھی رکھتے تھے۔ کسی محفل یا مجلس میں جاتے تو اپنے ہونے کا احساس دلاتے مگر ان سب میں ہوتے ہوئے بھی تنہا رہتے، کسی کی پابندی نہیں کرتے تھے اپنی مرضی کے مالک تھے۔

کنایہ کے بنیادی مباحث

کنایہ عربی زبان کا لفظ ہے۔ جس کے لغوی معنی پوشیدہ بات، پوشیدہ طور پر بات کرنا، اشارہ یا خفیہ اشارہ کے ہیں۔ علم بیان کی رو سے کنایہ وہ کلمہ ہے جس کے معنی مبہم اور پوشیدہ ہوں اور ان کا سمجھنا کسی قرینے کا محتاج ہو اور وہ اپنے حقیقی معانی کی بجائے مجازی معنوں میں اسطرح استعمال ہوا ہو کہ اس کے حقیقی معانی بھی مراد لیے جاسکتے ہوں۔ یعنی بولنے والا ایک لفظ بول کر اس کے مجازی معنی کی طرف اشارہ کر دیتا ہے اور اس کی مراد بھی اپنی مجازی معنوں سے ہوتی ہے تاہم اگر حقیقی معنی مراد لے لیے جائیں تو بھی صحیح ہو۔

منیر نیازی کی شاعری میں کنایہ کا استعمال:

کنایہ علم بیان کی چوتھی بڑی قسم ہے کنایہ کے معنی ہے "اشارہ" کرنا۔

کنایہ کا لفظ پانچ حروف پر مشتمل ہے ک + ن + ا + ی + ہ

منصف خان سحاب نے نگارستان میں لکھتے ہیں:

> "کہ اگر کوئی لفظ مجازی معنوں میں اس طرح استعمال ہو کہ اس کے حقیقی معنی بھی مراد لیے جاسکتے ہوں تو اسے کنایہ کہتے ہیں۔"(۱)

استعارے کے بطن سے جنم لینے والا کنایہ ہر عہد کے شعرا کے لیے کسی نہ کسی درجے کی ضرورت رہا ہے عہد کے تقاضوں کے پیش نظر، معاملات کی باریکی یا سنگینی کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے یا غزل کے حسن و جمال میں چمک پیدا کرنے کے لیے شعرا کنایہ کو استعمال میں لاتے ہوئے غزل میں بات چھپانی بھی پڑتی ہے اور بتانی بھی ہوتی ہے رمز و ایما شاعری کی جان ہے جو لطف اشارے میں ہے وہ کھل کر بیان کر دینے میں کہاں ہے۔ منیر نیازی کے نزدیک محبت کی باریکیاں ہوں یا سماج کے خلاف بغاوت، ہر دو صورتوں میں کہیں نہ کہیں کنایہ سے کام لیا ہے۔

کنایہ:

باندھے ہوئے ہیں وقت سبھی اس کے حکم میں
ہے جس خدا کے ہاتھ میں کارِ نظام شام(۲)

منیر نیازی بیان کرتا ہے کہ اوقات سب اللہ کے دست قدرت میں ہیں، ہر چیز اللہ کے حکم کے تابع ہے، کوئی چیز ربِ ایزدی کے حکم سے خالی اور ماورا نہیں ہے۔ شاعر واضح کرنا چاہتا ہے کہ خدا کائنات کا حقیقی بادشاہ ہے، کائنات کی ملکیت اور حاکمیت اعلیٰ اللہ ہی کے ذمے ہے، اللہ پوری کائنات کا مالک و مختارِ کُل ہے، ہر چیز اس کیتابع ہے ازل تا ابد بادشاہی اللہ کی ہے، کائنات کا بنانے والا، کائنات کو قائم کرنے والا، دنیا کا نظام چلانے والا، دنیا کو اپنے تابع رہ کر بہتر بنانے والی ذات اور ہستی اللہ کی ہے۔ کائنات کا حقیقی رب اور پروردگار اللہ ہے اور پوری کائنات کا نظام اس کی سامنے بے بس ہے جو وہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اور جب وہ چاہتا ہے کر کے دکھاتا ہے، شمس و قمر، شجر و حجر، بحر و بر، خشک و تر، صغیر و کبیر ہر چیز اللہ کے حکم کے تابع اور اس کی پسندیدہ مخلوق ہیں۔

آئے گی پھر بہار اسی شہر میں منیر
تقدیر اس نگر کی فقط خارو خس میں(۳)

منیر نیازی بیان کرتے ہیں کہ بہار سے مراد اچھا وقت ہے اور خار و خس سے مراد بُرا وقت ہے، بہار سے مراد امید، خوشحالی، فراوانی ہے اور خار و خس سے مراد خزاں، مشکل وقت، بدحالی، خستہ حالی، اور بربادی ہے۔ شاعر بیان کرتا ہے کہ عروج و زوال زندگی کا حصہ ہے، اتار چڑھاؤ، اونچ نیچ، نشیب و فراز زندگی کا حسین امتزاج ہیں، جس طرح وقت بدلتا ہے تو انسان کے وقت بدلنے کے ساتھ ساتھ حالات بھی بدل جاتے ہیں اگر حالات بد ہوں تو بدتر ہوتے چلے جاتے ہیں یا خوب سے خوب ترین ہوتے چلے جاتے ہیں ۔شاعر پیغام دیتا ہے کہ انسان کو نا امید اور مایوس نہیں ہونا چاہیے، ہمیشہ پُر امید رہنا چاہیے، حالات کی اچھائی اور خوشحالی کا منتظر رہنا چاہیے، حالات انسان کی زندگی کو تبدیل کر دیتے ہیں ، امیدیں انسانی امنگوں کو بر آور لاتی ہیں، اور انسان کے حالات یکسر تبدیل ہو جاتے ہیں اور بُرے وقت میں بُرے لوگ ساتھ چھوڑ دیتے ہیں اور اچھے وقت میں بُرے لوگ بھی دست و بازو بنے ہوئے نظر آتے ہیں۔

اس کی بے وفائی بھی مستقل نہیں ہوتی
دل سدا وہ رکھتا ہے دو رخوں کی حسرت میں(۴)

منیر نیازی کے کلام میں عجیب حیرت و استعجاب کی کیفیت ہے، شاعر بیان کرتا ہے کہ محبوب کی بے وفائی، بے بسی، بے کسی اور لاپروائی کا عنصر بھی دائمی و ابدی نہیں ہوتا بلکہ اس میں بھی عارضی پن موجود ہوتا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ جو میرا محبوب ہے کہ وہ جو دل رکھتا ہے اس کا دل دورخی نہیں ہوتا۔ شاعر کہتا ہے کہ اسکی خواہش ہے کہ محبوب اپنے دل ہر ایک کو حاکمیت نہیں کرنے دیتا، کبھی وہ دل کسی کے سپرد کر دیتا ہے تو کبھی کسی کے سپرد، مطلب منافقت اور دورخ چہرہ محبوبکا ہے، کسی لمحے کچھ ہوتا ہے اور کسی لمحے کچھ، گویا محبوبکی منافقت کی طرف اشارہ ہے اور محبوب کی منافقت سے پردہ بڑے واضح انداز میں چاک کیا گیا ہے، دورخ سے مراد صرف دو افراد میں کاربند نہیں بلکہ بہت سے لوگوں سے توقعات و تعلقات وابستہ رکھے ہوئے ہیں، گویا دوسرے لفظوں میں انسانوں کی حقیقت سے پردہ چاک کیا گیا ہے اور انسان کی حقیقت لوگوں میں واضح کی گئی ہے۔

چھوڑ کر نکلے تھے جس کو دشتِ غربت کی طرف
دیکھنا شام و سحراب گھر کے سائے کی طرف(۵)

منیر نیازی بیان کرتے ہیں کہ صحرا میں کچھ نہیں ہوتا نہ تو وہاں پہ پانی موجود ہوتا ہے نہ گھاس، نہ شجر، نہ پھل پھول اور شاخیں اور نہ ہریالی کی کوئی قسم، مطلب جو اسباب ذرائع دولت ان میں سے کوئی چیز وہاں موجود نہیں ہوتی گویا صحرا میں غربت نے ڈیرے ڈال دیئے ہیں، غربت اور مفلسی نے صحرا کو اپنا مسکن بناڈالا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ اب میں صحرا میں موجود ہوں اور صحرا میں موجودگی مجھے گھر کی یاد دلاتی ہے اور یہ یاد صبح و شام کا مطلب لمحہ بہ لمحہ، وقتاً فوقتاً مجھے تڑپاتی رہتی ہے اور اس نے مجھے صحرا چھوڑنے پر مجبور کر دیا ہے گویا انسان وہاں زندہ رہتا ہے اور وہاں زندگی گزارنا بہتر سمجھتا ہے جہاں اس کے لیے پانی اور دیگر اسباب رزق میسر ہوں، صحرا میں ان میں سے کوئی چیز موجود نہیں تو شاعر کہتا ہے کہ میرا یہاں رہنا اور زندگی گزارنا وبالِ جان اور باعث تکلیف بنتا چلا جارہا ہے، گویا گھر امن و سکون کی آماجگاہ ہے، گھر تو فرشِ گُل کی عملی تصویر ہے اور سفر کھٹن، دشوار اور مشکل ترین ہوتا ہے، گویا مقیم کی بہ نسبت مسافر حالت اضطراب و ملال میں ہے۔

عشق کے شجر اس جا آنسوؤں سے اُگتے ہیں
حسن نے زمانے کو غم کو بن بنا دیا(۶)

منیر نیازی عشق کی نرالی، انوکھی اور البیلی داستان بیان کرتے ہیں، شاعر کہتا ہے کہ عشق و محبت ایک فطری تقاضا اور فطری ضرورت ہے، انسان عشق کیے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا، گویا عشق ایک غذا کی مانند ہے، مگر شاعر عشق کرنے کے بعد ذلیل و خوار اور رسوا ہو کر رہ گیا ہے شاعر کی زندگی بڑی کھٹن، مشکل اور پُر خار ہے، محبوب بے وفا کا حقیقی روپ دھارے ہوئے ہے۔ شاعر کہتا ہے عاشق محبوب کی جدائی میں تڑپتا رہتا ہے اور بے بس اور لاچار ہو جاتا ہے تو آنسوئوں کا سمندر امڈ آتا ہے، انسان کے آنسو زمین پر اس قدر گرتے ہیں کہ پودوں کو سیرابی میسر ہونا شروع ہو جاتی ہے، گویا آنسوئوں کی کثرت اور شدت کے باعث درخت اگ رہے ہیں، پھل پھول رہے ہیں اور تناآور بنتے چلے جارہے ہیں، اور ان کی وجہ سے ایک دن یہ جنگل کا نمونہ پیش کرنے لگے گے، شاعر کا مقصود اور منشاء عاشق کی حالتِ زار اور ناگفتہ بہ حالات کا تذکرہ ہے، اور اس کے عوض میں وجود میں آنے والے درد و الم اور غم و پریشانی کے پہاڑ ہیں۔

ہر ایک سخت وقت کے سوا بھی ایک وقت ہے
نشاں کمالِ فکر کا زوال میں ملا مجھے(۷)

شاعر بڑے منفرد اور نرالے انداز میں انسان کی حالتِ زار کے لیے حسین مضمون کو باندھتا ہے اور نہایت خوش اسلوبی سے ترتیب دے کر الفاظ و معانی کے گلدستے میں سجا کے رکھتا ہے، شاعر کہتا ہے کہ ہر سخت وقت سے مراد مشکل وقت ہے کہ مشکل اور سنگین وقت کے علاوہ بھی ایک وقت ہے یعنی مشکل حالات اور اچھے حالات، انسان کی زندگی اور سانسوں کے ساتھ رواں دواں ہیں، اگر انسان پر بُرے حالات آتے ہیں تو بُرے حالات، اچھے حالات میں بھی تبدیل ہو جاتے ہیں، سدا دن، موسم اور حالات ایک جیسے نہیں رہتے، سب تغیر دنیا ہے۔ جب انسان اپنی شخصیت میں تبدیلی دیکھتا رہتا ہے تو ارد گرد بھی تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں، مگر جو شعور کی آنکھ زوال کے حالات میں کھلتی ہے وہ خوشحالی کے حالات میں نہیں کھلتی، خوشحالی اور خوش دستی انسان کے زوال کو بہالے جاتی ہے المختصر حالات کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا چاہیے اور مشکل اور کشیدہ حالات سے گھبرانا نہیں چاہیے۔

نہال سبز رنگ میں جمال جس کا ہے منیر
کسی قدیم خواب کے محال میں ملا مجھے(۸)

منیر نیازی بیان کرتے ہیں کہ یہ کائنات اللہ کی قدرت کا سرچشمہ ہے اور اللہ رب العزت کی قدرت کاملہ کا شاہکار ہے، اللہ کی بارگاہ میں رسائی حاصل کرنی ہے تو پھر کائنات کے ذرے ذرے میں غور و فکر کرو، نہ کہ اللہ کی ذات میں، اللہ کا وجود اور اس کے حسن کی رعنائی اور دلکشی ملے گی، تو حسین کائنات میں ملے گی، گویا شاعر بیان کرتا ہے کہ سبز رنگ کی پتیوں، کلیوں، پھلوں پھولوں میں جو حسن و کشش اور وصف دکھائی دیتا ہے وہ اللہ کی قدرت اور ذاتِ مبارکہ منہ بولتا ثبوت ہے، پودے میں، پھل پھول میں، رنگ و روغن میں، المختصر پورے گلستان میں حسن و جمال اللہ کی قدرتِ کاملہ کا شاہکار ہے، اور اس حسن و جمال کے باعث اور اس کے کھلنے، پھلنے اور پھولنے کے باعث ہی اللہ کی ذات تک رسائی حاصل کرتے ہیں اور ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی تخلیقِ کارِ کائنات ہے تو وہ ہستی مالک اللہ ہے۔

ہے بسنت آنے کو اڑتی پھر رہی ہیں باغ میں
تتلیوں کو رنگ کیسے اس زمانے میں لگے(۹)

شاعر بیان کرتا ہے کہ اچھے وقت اور اچھے حالات کا فائدہ ہر انسان اور ہر ذی روح چیز اٹھاتی ہے اور اچھے حالات کے وارد ہونے سے پہلے اچھے حالات کے آثار نظر آنا شروع ہو جاتے ہیں، گویا شاعر بیان کرتا ہے کہ یہ جو تتلیوں کی اڑان ہے باغ میں ہلچل ہے مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ موسم بہار آنے کے قریب ہے محب کا محبوب سے وصال کا لمحہ قریب تر ہو رہا ہے۔ فرقتیں، قربتوں کا لبادہ اوڑھنے لگیں ہیں حالات انگڑائی لینے لگے ہیں، بُرے حالات اچھے حالات کا لبادہ اور رخ اوڑھنے لگے ہیں۔ شاعر واضح کرتا ہے کہ جب موسم موڈ اور حالات خوشگوار اور دلچسپ ہوتے ہیں تو انسان تو کیا نباتات پر بہار دیکھ کر دیگر حیوانات بھی حالتِ رقص اور کیفیت سے سرشار ہوتے چلے جاتے ہیں اور انسان ہی صرف فرحت اور مسرت کا دلدادہ اور خواہاں نہیں ہے بلکہ یہ آسمانی چیزیں بھی اس کے حسن و کمال اور جمال کو منوانے کی خواہاں ہیں۔

گمراہیوں کا شکوہ نہ کر اب تو اے منیر
تو ہی تھا سب سے بڑھ کے یہاں رہنما پرست(۱۰)

منیر نیازی کی فنِ شاعری میں وہ مہارت نامہ موجود ہے جو انسانی عظمت اور شان و شوکت اور انسانی فلسفے کو خوبصورت پیرائے میں بیان کرتا ہے۔ یہ ان کی ہی مہارتِ تحریر ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ اب گمراہیوں کا، بے راہ روی کا اور راہ راست سے بھٹک جانے کا گلہ اور شکایت کیوں کرتا ہے تو نے ایسے انسان نا انتخاب کیا اور ایسے فرد کی تقلید میں چلا جس نے زندگی کو خرافات بنا کر رکھ دیا۔ شاعر کہتا ہے کہ اب گمراہیوں اور بے بسیوں کا تذکرہ نہ کر، تو نے ہی تو غلط راستے اور شخصیت کا انتخاب کیا ہے جس نے تجھے گمراہی، بے راہ روی اور راہ فرار پر ابھارا ہے، رہنما زندگی میں ایک کلیدی حیثیت رکھتا ہے اور رہنما کا کردار ایک معلمانہ اور تدبرانہ اور قابل عمل

ہوتا ہے اس لیے شاعر کہتا ہے کہ تو اب شکست و شکایت سے کام لینا چھوڑ دے اور اپنی بے بسی کا ڈھونگ رہنما کا ہی تراشیدہ ہے جس رہنما نے مجھے تباہی کے دہانے پر لا کھڑا کیا ہے، اور مجھے بد سے بدتر بنا دیا ہے، گویا شاعر کہتا ہے کہ گمراہی میں میرا قصور نہیں اس میں مجرم میرا محبوب ہے۔

کس خرابی میں ہوا پیدا جمالِ زندگی
اصل کس نقل مکاں میں رائیگاں ہوتی گئی(۱۱)

منیر نیازی بیان کرتے ہیں کہ کس بد صورتی اور خرابی میں پیدا ہوا، زندگی کا حسن، زندگی کا جمال، گویا شاعر کا اشارہ اس حقیر دنیا کی طرف ہے کہ دنیا خراب ہے اس کی حقیقت غلط ہے اور اس نے اصل کی نقل اتاری ہے، گویا یہ جو زندگی ہے یہ حقیقت نہیں ہے ، یہ حقیقت سے دور کسی مقام پر موجود رہتا ہے۔ جس میں خرابی ہی خرابی ہے، اور تباہی ہے، گویا کائنات کا نظام چل رہا ہے اور نظام جاری و ساری ہے۔ اور لوگ زندگی سے محفوظ ہونے کے لیے زندگی کی آسائشوں اور رنگنیوں میں کھوئے ہوئے ہیں، منیر احمد نیازی نے گویا دنیا کے حسن و کشش کا ناکارہ اور بے کار شے قرار دیا ہے، گویا یہ زندگی انسان سے اس کا حسن و رعنائی اور جمال و کشش ختم کر دیتی ہے اور دنیا کی بے اعتنائی اور بے رعنائی میں انسان گم ہو جاتا ہے تو انسان دنگ رہ جاتا ہے۔

بیٹھ جائیں سایہ دامانِ احمد میں منیر
اور پھر سوچیں وہ باتیں جن کو ہونا ہے ابھی(۱۲)

شاعر بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی اکرم ﷺ کی قربت میں بیٹھ جائیں آپ کی صحبتِ مبارک میں بیٹھ کر اپنے تخیلات کو تطہیر دیں اور روضۂ اقدس و رسول کے سامنے بیٹھ کر آقا کی قربتوں اور رفاقتوں میں بیٹھ کر سوچیں جن کو ابھی وقوع پذیر ہونا ہے، جن کو ابھی وارد ہونا ہے، اس سے مراد آخرت ہے، قبر و حشر اور قیامت کے لمحات ہیں کہ ہم تو نبی کی قربت میں ہیں اور یقیناً اس دن بھی ہم نبی کی قربتوں میں ہوں گے، اور آپ کی محبتوں کی کیفیات سے آشنا ہوں گے اور حسین لمحات آپ کی محبت اور قربت میں گزارنے کے منتظر ہوں گے اور زندگی کی حسین لمحات وہ ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی قربت میں گزرے ہیں اور قیامت کے دن اور حشر کے دن بھی ان لمحات کے طفیل ہمیں دنیوی اور اخروی کامیابی اور کامرانی ملے گی اور ہم ان کامیابیوں سے سرفراز ہو کر اپنے اخروی سفر کو بہتر سے بہتر اور حسین سے حسین تر بنا سکیں گے اور نہ صرف دنیا بلکہ آخرت اور نہ ختم ہونے والی زندگی کو بہت عمدہ، اعلیٰ، بہترین اور مثالی بسر کر سکیں گے۔

چمک زر کی اُسے آخر مکان خاک میں لائی
بنایا ناگ نے جسموں میں گھر آہستہ آہستہ(۱۳)

منیر نیازی بیان کرتے ہیں کہ انسان دنیا پرست ہے اور دنیاوی دھندوں میں کھو جانے والا ہے اور سب کی پرواہ کیے بغیر دنیا اور دنیا کی حسین چیزوں اور دنیا کے مال و متاع کو اپنے سینے سے لگائے رکھتا ہے اور دنیا دنیا کرتا وقتِ اجل آیا اور قبر میں آ پہنچا، جہاں دولت و زر ہوتا ہے اور کثرت کے ساتھ ہوتا ہے وہاں سانپ حفاظت کے لیے بیٹھ جاتا ہے اور سانپ مال و زر اور دولت کی نگرانی کرتا

ہوا دکھائی دیتا ہے، دولت نے انسان سے زندگی کی روح اور حقیقت سلب کر لی ہے اور انسان کی زندگی کو اجیرن بنا کے رکھ دیا ہے۔ دوسرا استعارتی طور پر دیکھا جائے تو سانپ کے تذکرے سے معلوم ہوتا ہے کہ سانپ دولت پر بیٹھنے کا مطلب یہ ہے کہ دولت کو خرچ کرنے میں کنجوسی کی گئی ہے اور دولت کے اجراف پر بڑے اہم انداز میں برتا گیا ہے اور جب انسان اس حد تک سخت اور تُرش مزاج ہو جاتا ہے تو انسان بھی سانپ کی مانند ہو جاتا ہے، دولت کے نشے میں اس قدر دُھت ہے کہ اسے پہچان اور شناخت ہی نہیں رہتی کہ وہ کس سے بات کر رہا ہے یا وہ کس سے مخاطب ہے دولت کی ہوس انسان کو اندھا کر دیتی ہے۔

اب کسی میں اگلے وقتوں کی وفا باقی نہیں
سب قبیلے ایک ہیں اب ساری ذاتیں ایک سی(۱۴)

شاعر بیان کرتا ہے کہ اب کسی میں وفا باقی نہیں رہی اور سب انسان ایک جیسے ہو چکے ہیں ایک ہی صف میں کھڑے دکھائی دیتے ہیں، پرانے زمانے میں یا کچھ عرصہ قبل یہ کہا جاتا تھا کہ فلاں قبیلے یا برادری یا خاندان کے لوگ عظیم ہیں اور باعثِ فخر اور قابل تقلید ہیں، مگر شاعر بیان کرتا ہے کہ بد قسمتی سے اب اچھے اور بُرے فرد یا خاندان یا قبیلے اور قوموں کی شناخت مسمار ہو چکی ہے۔ یہ عمارت ظلم و ستم پر ایستادہ ہے، فرق ظاہر کرنا اور بتانا مشکل ہو چکا ہے کہ کس کی تعریف کریں یا مذمت کریں، یعنی پہلے انسان ڈنکے کی چوٹ پر یہ کہہ سکتا تھا مگر حالات نے انسان کی کایا پلٹ دی ہے اور اب فرق کرنا معدوم ہو چکا ہے، انسان شیرازہ ہو چکا ہے، انسانیت کے لیے زہرِ قاتل سے کم نہیں ہے، انسان کے اندر سے جب انسانیت نکل جائے تو انسان بات اور گفتگو کے بندھن سے مستثنیٰ ہو جاتا ہے ،یہی بات شاعر بتا رہا ہے کہ انسان کو کس چیز نے ان چیزوں سے بے خبر کر دیا ہے۔

منیر آج پھر اس ملتے چلیں
جھلک اس کی پھر دیکھ آئیں ذرا(۱۵)

منیر نیازی کے قلب میں عشق کی واردات موجود ہیں، شاعر بیان کرتا ہے محبوب سے عشق و محبت کے باعث دل چاہ رہا ہے کہ محبوب سے ملاقات کریں، وصالِ محبوب ہو جائے، محبوب سے ملوں اور اپنی حقیقت اور اولیت بیان کروں کہ میرا تیرے بغیر گزارہ نہیں ہے۔ شاعر بیان کرتا ہے کہ میں محبوب کا جلوہ دیکھ لوں اگر محبوب سے ملوں، ملاقات کروں گا تو حقیقت تسلیم کرنا پڑے گی، اور محبوب کا دیدار مجھے وہ مقام عطا کرے گا کہ میری بقیہ زندگی گل و گلزار ہو جائے گی، زندگی میں بہار آجائے گی، سندگی کے پیرہن پر بہارِ جاوداں کا دور دورہ ہو گا اور زندگی بڑی خوشگوار لمحات سے مزین اور آراستہ ہو جائے گی، گویا زندگی کی رنگینیوں اور زندگی کے حسن و جمال اور زندگی کی رعنائیوں کو بڑے منفرد اور نرالے انداز میں بیان کرنے کی جسارت کا طریقہ صرف منیر رکھتا ہے اور خوبصورت سے خوبصورت مضمون باندھ کر کلام میں حسن اور الفاظ میں موتی سی چمک پیدا کرنے کا ملکہ میرے محبوب کا خاصہ ہے۔

منزل موہوم ہے اور خواب ہیں چاروں طرف
کتنے پردوں سے پرے ہے کس جگہ رہتا ہے وہ(۱۶)

شاعر بارگاہِ ایزدی میں لب کشائی کرنے کی حقیرانہ جسارت کر رہا ہے کہ باری تعالیٰ تیری ذات مکان و لا مکاں، عرش و فرش، کائنات کے چاروں اطراف میں ہر سو موجود ہے اور مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ تیری ذات لاکھ پردوں سے بھی دور ہے۔ شاعر کا انداز بڑا دلچسپ ہے کہ اکثر مجھے یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ تیری ذات لاکھوں پردوں میں مخفی ہے مگر مجھے لگتا ہے کہ تو لاکھ پردوں سے بھی کئی لاکھ پردے دوری پر ہے، گویا ہم بندے ظاہری طور پر تیری ذات تک رسائی حاصل نہیں کر پاتے اگر تجھ تک پہنچنا ہے یا تیری بارگاہ تک رسائی کے طلب گار بننا چاہتے ہیں تو صحیح معنوں میں تیری بنائی ہوئی کائنات اور ارض و سما میں غور و فکر کرنی ہو گی۔ تفکر و تدبر تجھے کائنات کی حسیں مقام پر لا کھڑا کرے گا۔ اور تو اپنے مقام اور منصب کو پہچان لے گا۔

دن بھر جو سورج کے ڈر سے گلیوں میں چھپ رہتے ہیں
شام آتے ہی آنکھوں میں وہ رنگ پرانے آجاتے ہیں(۱۷)

شاعر بیان کرتا ہے کہ دن بھر انسان کام کاج اور دیگر ضروریاتِ زندگی میں مصروفِ عمل رہتا ہے اور انسانی زندگی بڑی مصروف اور محتاط انداز میں گزارتا ہے مگر شام کا سورج ڈھلتے ہی اس کی زندگی میں انقلاب کی لہر دوڑ جاتی ہے تبدیلی انقلاب کا لبادہ اوڑھے اس کی حسیں زندگی میں اداسی، مایوسی کے پرانے آثار واضح کر دیتی ہے، گویا دن کی روشنی اور دن کی رعنائی و دلکشی اس کی ذات کو بڑی منفرد اور ندرے پن میں اوڑھ کر رکھتی ہے، دن اس کی زندگی میں امید کی کرن بن کر چمکنے لگتا ہے اور دن سے اس کی زندگی میں سفیدی اور شفافیت اور اعتدال پسندانہ رویہ پیدا ہوتا ہے۔

مگر شام اور تاریکی کا سورج اسے اپنے مقاصد و اہداف اور نصب العین سے ہٹا کر اسکے اندر وہ پرانی یاد اور اسکی خیالاتی تصویر پیشکر کے انسان کو اس دوراہے پر لا کھڑا کرتا ہے کہ انسان نہ آگے کی جانب قدم اٹھا سکتا ہے اور نہ پیچھے کی جانب قدم گامزن کر سکتا ہے، یہ زندگی کا حسن اور زندگی کا فلسفہ عجیب تر ہے کہ مایوسی امید میں اور امید مایوسی کا روپ دھار لیتی ہے اور زندگی کی سانسیں اس انداز میں چلتی ہیں اور آہستہ آہستہ اپنی منزل کی جانب رواں دواں رہتی ہے اور انسان ان سے اپنے آپ کو بڑا محظوظ کرتا ہے۔

تو بھی منیر اب بھرے جہاں میں مل کر رہنا سیکھو
باہر سے تو دیکھ لیا اب اندر جا کر دیکھو(۱۸)

منیر نیازی دنیا کی حقیقت سے پردہ فاش کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں کہ دنیا کا طور طریقہ اور دستورِ دنیا عجیب تر ہے، شاعر واضح کرتا ہے کہ دنیا کی عمارت ظاہر و باطن پر استیاد ہے، دنیا کی رنگینیاں بھی عجب صورتحال ہیں۔ شاعر کہتا ہے کہ تو نے دنیا کی رنگینیوں کا باہر سے تو نظارہ کر لیا ہے مگر اب اندر سے بھی اس کا نظارہ اور منظر دیکھ لے۔ دنیا مفاد پرستی کا نام ہے، دنیا کا دوسرا نام مطلب پرستی ہے۔ شاعر کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ جیسی دنیا ہے تو بھی ویسا بن جا، اپنے آپ کو دنیا کے مطابق ڈھال لے اور دنیا کے رنگ میں خود کو رنگنا شروع کر دے، دنیا تجھے دیکھے تو منفرد نظر آئے، بلکہ کامیاب انسان وہ ہے جو خود کو دنیا میں منسلک کر لیتا ہے اور خود کو دنیا کے رنگ میں اور دنیا کے لبادے میں اوڑھ لیتا ہے، اسے اچھا انسان اور باوفا اور حقیقت شناس قرار دیتی ہے جو دھوکہ باز، منافق اور گھٹیا ہوتا ہے کیونکہ معاشرے کا یہ انسان ظالم، منافق اور بُرا ہے اس لیے وہ بُرے فرد کا ہی انتخاب کرے گا۔

جرم آدم نے کیا اور نسل آدم کو سزا
کاٹتا ہوں زندگی بھر میں نے بویا نہیں(۱۹)

شاعر کا انداز بڑا پُر اسرار ہے کہ اصول یہ ہے کہ جس نے جرم کیا اس جرم کی سزا اسے ملنی چاہیے، شاعر کہتا ہے کہ مالائے اعلیٰ کے پنچھی ہیں، ہماری دنیا خلد اور جنت تھی مگر ہم اس دنیا میں آئے اور یہاں کی نعمتوں سے سرفراز ہوئے اور جنت کی نعمتوں سے دنیا میں محروم ہیں کہ یہ ہماری غلطی نہیں یہ ہمارے باپ آدم کا جرم ہے، گویا آدم کے جرم کو انسانیت کا جرم نہیں کہنا چاہیے اور آدم کے جرم کو پوری انسانیت کا جرم نہیں ماننا چاہیے۔ آدم کا انفرادی عمل اور رویہ ہے اسے تن تنہا اس کا مستحق سوال بنایا جاتا نہ کہ پوری انسانیت کو اس کٹہرے میں لا کھڑا کیا۔ شاعر کہتا ہے کہ میں وہ سزا کاٹ رہا ہوں جو جرم میں نے کیا نہیں یا میں وہ پھل کھا رہا ہوں جو میں نے بویا نہیں، مجھے اپنے کیے کی سزا نہیں مل رہی۔

قدیم قریوں میں موجود تو خدائے قدیم
جدید شہروں میں بھی تجھ کو رونما دیکھا(۲۰)

شاعر اس شعر میں بتانا چاہتا ہے کہ اللہ کی ذاتِ قدوس ازل سے ہے اور تا ابد رہے گی، گویا جو چیز پہلے کی ہو، وہ قدیم، پُرانی اور نا قابلِ استعمال ہو جاتی ہے۔ مگر اللہ رب العزت ازل سے ہے مگر خدا تعالیٰ کا جلوہ، اللہ تعالیٰ کا حسن، خدا کی معرفت و دانائی، بلکہ جمیع اوصاف کے ساتھ تو متصف خدا تعالیٰ کی قدرت کاملہ اپنے جوہر دکھا رہی ہے اور دنیا خدا تعالیٰ کے جوہروں سے مستفید ہو رہی ہے۔ گویا قدیم شہر، مکان اور مقامات یا جدید طرز کے مکانات اور شہر اے اللہ ہر جگہ تیرا جلوہ ہے اور جلوہ بھی نیا ہے انداز و اختیار بھی نیا ہے گویا قدیم نہیں ہے۔ تو ازل سے لے کر ابد تک نیا، حسین اور جاذب نظر ہے، اللہ خود قرآن پاک میں اس مظہر اور نظارے کی طرف اشارہ فرما رہا ہے کہ میں ہر دن، ہر لمحے اپنے بندوں کے سامنے نئی شان و قدرت کے ساتھ جلوہ گر ہوتا ہوں۔ دن نیا ہوتا ہے، جلوہ نیا ہوتا ہے، میری امید تمہاری نئی ہوتی ہے تو اسے پورا کرنے کا عزم و حوصلہ اور استعداد بھی میری نئی ہوتی ہے۔

بامِ بلند یار یہ خاموشیاں سی ہیں
اس وقت وہ کہاں ہے وہ یادِ ہوا پرست(۲۱)

شاعر بیان کرتا ہے کہ محبوب کی وجہ سے انسان پر عروج آتا ہے، عروج سر اٹھاتا ہے، عروج کی داستاں بھی عجیب تر ہے کہ عروج زوال کا لبادہ بھی اوڑھتا چلا جاتا ہے۔ عروج و زوال انسان کا حصہ ہے، عروج و زوال سے انسانی زندگی میں نیا رنگ اور نیا فلسفہ آتا ہے اور انسان عروج سے زوال کی جانب آنے سے گھبراتا اور کتراتا ہے۔ مگر شاعر کہتا ہے کہ محبت کا میدان ایسا میدان ہے کہ عروج و زوال ہر حال میں انسان اس سے منسلک ہو جانے کے بعد جڑا رہتا ہے۔ محبت ایک ایسا سلسلہ اور ایک ایسا فلسفہ ہے کہ میرا محبوب وہ ہے کہ جدھر ہوا چلے ادھر ہی اپنا رخ موڑ لیتا ہے۔ مطلب جس طرف محبوب کا مفاد وابستہ ہو جاتا ہے۔ محبوب، محبت و عزت اور شہرت کی بجائے مفاد پرستی اور دولت پرستی اور زر پرستی کو فوقیت دیتا ہے میرے محبوب کا شمار بے وفائوں میں ہوتا ہے جس طرح ہوا کا رخ کبھی

کدھر تو کبھی کدھر، اسی طرح میرے محبوب کے رخ کی بھی سمجھ نہیں آتی، کبھی کسی طرف چل پڑتا ہے تو کبھی ہوا کی مانند کسی طرف چل پڑتا ہے۔ عجب قسم کی صورتحال سے میں دوچار ہوں۔

گمراہیوں کا شکوہ نہ کر اب تو اے منیر
تو ہی تھا سب سے بڑھ کے یہاں رہنما پرست(۲۲)

منیر نیازی کا کلام بڑا فن کارانہ ہے شاعر بیان کرتا ہے کہ اب گمراہی کا راہِ ضلالت کا ذکر نہ کر کیونکہ تجھے شکوہ کرنا زیب نہیں دیتا کہ تو شکوہ کرتا دکھائی دے۔ شاعر کہتا ہے کہ تجھے اپنے آپ کو گمراہ کرنے میں تیرا اپنا کلیدی کردار ہے کہ تو نے رہنما کا انتخاب ہی ایسے کا کیا ہے جو خود بھی گمراہ ہے اس سے جو وابستہ ہو جاتا ہے وہ بھی گمراہی کے دہانے پر آ کھڑا ہوتا ہے، کیونکہ گمراہی میرا وطیرۂ حیات بن چکی ہے۔

دوسرے لفظوں میں شاعر بیان کرتا ہے کہ تو ہی راگ الاپتا تھا کہ رہنما چاہیے، رہنما کے بغیر زندگی ناکارہ ہے اور زندگی کا کوئی فائدہ نہیں اگر زندگی میں اہنما موجود ہو تو زندگی میں بہار آ جاتی ہے اور زندگی خیر طلب ہو جاتی ہے، تجھے تیرے رہبر اور رہنما نے بھٹکا دیا ہے اور راہِ راست سے ہٹا دیا ہے اب اس میں مرا جرم تو نہیں اس میں تو تیرے رہنما اور سرپرستِ اعلیٰ کا قصور اور جرم ہے۔

زور پیدا جسم و جاں کی ناتوانی سے ہوا
شور شہروں میں مسلسل بے زبانی سے ہوا(۲۳)

شاعر بیان کرتا ہے کہ جسم کے اندر طاقت و لیاقت اور جسمانی قابلیت و صلاحیت اور ذہنی استعدادِ جسم کمزوری سے ہوا مطلب یہ ہے کہ انسان کمزور ہوتا ہے تو طاقت ور بننے کے لیے محنت کرتا ہیا گر طاقت ور ہے تو وقتاً فوقتاً کمزور ہوتا چلا جاتا ہے، گویا شاعر کا مقصود یہ ہے کہ ناتوانی بھی انسان کے اندر طاقت اور جرات کے جوہر پیدا کر دیتی ہے۔ عمومی طور پر تو شور بولنے اور قوت گویائی سے ہوتا ہے، مگر یہاں معاملہ برعکس ہے کہ شور مسلسل گفتگو نہ کرنے سے ہو رہا ہے، مطلب گفتگو نہ کرنا گویا حالتِ اضطراب ہے اس بے چینی سے انسان کے ذہن کے دریچوں میں شور کی سی کیفیات پیدا ہو جاتی ہیں اور شور سے انسانی زندگی میں ویرانی کے آثار نمودار ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ گویا شاعر کا اظہارِ شور نہ کر کے بھی گویا یوں محسوس ہوتا ہے، گویا شہروں میں شور کی سی کیفیات پیدا ہونے لگ گئی ہیں۔

کس انوکھے دشت میں ہوائے غزالان ختن
یاد آتا ہے تمہیں بھی اب کبھی اپنا وطن(۲۴)

منیر نیازی شعر میں بڑے واضح اشارے سے کام لے رہا ہے کہ کس انوکھے منفرد، نرالے اور ندرے صحرا میں موجود ہوا ہے، انسان اس سرزمین پر اس دیس و وطن پر تمہیں وطن کی یاد تڑپاتی ہے، دیس کی خوشبو ترساتی ہے۔ شاعر وطنِ عزیز کی ہوا کی بات کر رہا

ہے کیونکہ وہ اپنے مقدس اور حسیں خطے سے کوسوں دُور ہے اسلیے جب انسان اپنی سرزمین یا اپنے خطے سے دور ہوتا ہے اور وطن کی محبت انگڑائی لیتی ہے اور وطن کی محبت قلب میں ہلچل پیدا کرتی ہے تو انسان کو مقدس دیس یاد آتا ہے۔ کیونکہ وطن کی محبت ایمان کا حصہ ہے ، وطن سے محبت ایمان کی بقا اور سلامتی ایمان کی ضمانت ہے۔ انسان دیس سے کسی کام یا مسئلہ کے باعث دور چلا جاتا ہے مگر جائے پیدائش کی سرزمین سے قلبی محبت و موانست ہوتی ہے اور اس مقدس خطے سے انسان اپنا تعلق استوار رکھتا ہے اور لحہ بہ لحہ اور وقتاً فوقتاً اپنے خطے کی طرف کھنچے چلے جاتے ہیں۔

سمتِ سیاہ جہل میں مدھم ہوئی سیابیاں
چمکے ہیں اس کے وسط میں علم کے در نئے نئے(۲۵)

منیر نیازی کا اشارہ جہالت، تاریکی اوراندھیرے پن کی طرف ہے، شاعر کہتا ہے کہ جب ہدایت کا چراغ جلتا ہے تو چار سو ماحول پُر نور ہو جاتا ہے، تاریکی چھٹ جاتی ہے، گمراہی اوندھے منہ گر پڑتی ہے کیونکہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ علم نور ہے، صاف ظاہر ہے کہ اجالا اور تاریکی، ہدایت اور گمراہی، علم اور جہالت، یہ سب اوصاف باہم متضاد ہیں ایک چیز کی موجودگی دوسری چیز کو مفقود بنادے گی۔ شاعر کا مقصد ہے کہ ہدایت کے آنے سے، علم اور نور کے چراغ اورالاؤ جلنے سے معاشرے سے تاریکیوں کا خاتمہ ہوا جو جہالت کی تاریکی کی سمت تھیں وہ آہستہ آہستہ مدھم پڑنے لگیں۔ اور تاریکیوں کے بت ماند پڑنے لگے اور معاشرے میں ہدایت کے چراغ جلنے لگے اور دنیا نے اپنی منزل اور مقاصد واہداف متعین کر لیے۔ گویا چمک دمک نے اپنا نیا رنگ بکھیرنا شروع کر دیا۔

حد سے گزر گئی ہے یہاں رسم قاہری
اس دہر کو اب اس کی سزا دینا چاہیے(۲۶)

منیر نیازی بیان کرتے ہیں کہ ہمارے معاشرے میں ظلم و ستم بڑھ چکا ہے اور ظلم بالائے ظلم کی داستاں رقم ہو رہی ہے اور ظلم و قہر اپنی آخری حدود کو چھو رہا ہے لہٰذا دہر سے زمانے میں موجود لوگوں کی طرف اشارہ ہے کہ اب لوگوں کو اپنے کیے کی سزا ملنی چاہیے۔ شاعر بیان کرتا ہے کہ ہر چیز کا آغاز ہوتا ہے اور آغاز سے وہ چیز مختصر ہوتی ہے اور جوں جوں وقت گزرتا چلا جاتا ہے ظلم اپنی دنیا میں عروج پکڑتا چلا جاتا ہے، اب تو ظلم کی حد ہو گئی ہے انسان نے قہر کا روپ دھار لیا ہے ایک وقت ہوتا ہے کہ قہر و جبر کو قابو کیا جا سکتا ہے اور جب عروج پکڑ جائے تو قہر و غضب کا انسان بیان کرنے سے قاصر ہو جاتا ہے۔ اور معاشرے کا ہر فرد قہر و جبر کی عملی تصویر پیش رہا ہوتا ہے، ایسے حالات اور ماحول میں ایسی دنیا کو اپنے کیے کی سزا بھگتنی چاہیے تاکہ معاشرہ بہتر سے بہترین ہو سکے۔

منیر نیازی نے اپنی شاعری میں سماجی مسائل کو بھی موضوع بنایا ہے۔ ان کی غزلوں میں غربت، بھوک، ناانصافی، اور جنگ و جدل جیسے مسائل کو پیش کیا گیا ہے۔ آپ کی شاعری کی ایک خاص خصوصیت ان کے استعمال کردہ زبان ہے۔ ان کی زبان سادہ،

سلیس، اور رواں ہونے کے ساتھ ساتھ علم بیان و بدیع کی خوبیوں سے بھی مالا مال ہے۔ اس مضمون میں منیر نیازی کے کلام میں علم کنایہ کو بیان کیا گیا ہے۔ جس سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپ نے زندگی کے مسائل کو کنایہ کے ذریعے کتنے احسن طریقے سے بیان کیا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ منصف خان سحاب، نگارستان، لاہور: رحمان مارکیٹ، اُردو بازار، ۱۹۸۸ء، ص:۳۰

۲۔ کلیات منیر نیازی، آغاز زمستان میں دوبارہ، لاہور: خزینہ علم و ادب، ۲۰۰۲ء، ص:۱۶

۳۔ ایضاً، ص:۸

۴۔ کلیات منیر نیازی، چھ رنگیں دروازے، لاہور: خزینہ علم و ادب، ۲۰۰۲ء، ص:۸۳

۵۔ کلیات منیر نیازی، ساعت سیار، لاہور: خزینہ علم و ادب، ۲۰۰۲ء، ص:۵۱

۶۔ ایضاً، ص:۶۲

۷۔ کلیات منیر نیازی، پہلی بات ہی آخری تھی، لاہور: خزینہ علم و ادب، ۲۰۰۲ء، ص:۸۲

۸۔ ایضاً، ص:۸۲

۹۔ کلیات منیر نیازی، ساعت سیار، لاہور: خزینہ علم و ادب، ۲۰۰۲ء، ص:۳۹

۱۰۔ ایضاً، ص:۳۷

۱۱۔ کلیات منیر نیازی، آغاز زمستان میں دوبارہ، لاہور: خزینہ علم و ادب، ۲۰۰۲ء، ص:۱۷

۱۲۔ کلیات منیر نیازی، چھ رنگیں دروازے، لاہور: خزینہ علم و ادب، ۲۰۰۲ء، ص:۴۳

۱۳۔ کلیات منیر نیازی، ماہ منیر، لاہور: خزینہ علم و ادب، ۲۰۰۲ء، ص:۹۳

۱۴۔ ایضاً، ص:۶۱

۱۵۔ کلیات منیر نیازی، سفید دن کی ہوا اور سیاہ شب کا سمندر، لاہور: خزینہ علم و ادب، ۲۰۰۲ء، ص:۳۸

۱۶۔ ایضاً، ص:۳۸

۱۷۔ کلیات منیر نیازی، جنگل میں دھنک، لاہور: خزینہ علم و ادب، ۲۰۰۲ء، ص:۸۶

۱۸۔ ایضاً، ص:۹۱

۱۹۔ ایضاً، ص:۹۷

۲۰۔ کلیات منیر نیازی، ماہ منیر، لاہور: خزینہ علم و ادب، ۲۰۰۲ء، ص:۸۶

۲۱۔ کلیات منیر نیازی، ساعت سیار، لاہور: خزینہ علم و ادب، ۲۰۰۲ء، ص:۳۷

۲۲۔ ایضاً، ص:۳۷

۲۳۔ ایضاً، ص:۳۸

۲۴۔ کلیات منیر نیازی، دشمنوں کے درمیان شام، لاہور: خزینہ علم و ادب، ۲۰۰۲ء، ص:۴۵

۲۵۔ ایضاً، ص:۵۳

۲۶۔ کلیات منیر نیازی، ساعت سیار، لاہور: خزینہ علم وادب، ۲۰۰۲ء، ص:۴۷

References in Roman Script:

1. Munsif Khan Sahab, Nigaristan, Lahore: Rahman Market, Urdu Bazar, 1988, P:30
2. Kuliyat e Munir Niazi, Aghaz zamastan mai Dobara, Lahore: Khazina Ilm o Adab, 2002, P:16
3. Ibid:P:8
4. Kuliyat e Munir Niazi, chay range Darwazy, Lahore: Khazina Ilm o Adab, 2002, P: 83
5. Kuliyat-e -Munir Niazi, Saat Sayyar, Lahore: Khazina Ilm o Adab, 2002, P:51
6. Ibid: P:62
7. Kuliyat e Munir Niazi, Pahli Baat he Akhri thi, Lahore: Khazina Ilm o Adab, 2002, P:82
8. Ibid:P:82
9. Kuliyat e Munir Niazi, Saat Sayyar, P:39
10. Ibid: P:37
11. Kuliyat e Munir Niazi, Aghaz zamastan mai Dobara,P:17
12. Kuliyat e Munir Niazi, chay range Darwazy,P:43
13. Kuliyat e Munir Niazi, Mah e Munir, Lahore: Khazina Ilm o Adab, 2002, P:93
14. Ibid, P:61
15. Kuliyat e Munir Niazi, Sufaid Din ki Hawa oar Siah Shab ka Samnadar, Lahore: Khazina Ilm o Adab, 2002, P:38
16. Ibid: P:38
17. Kuliyat e Munir Niazi, Jangle mai Dhanak, Lahore: Khazina Ilm-o-Adab, 2002, P:86
18. Ibid: P: 91
19. Ibid: p: 97
20. Kuliyat e Munir Niazi, Mah e Munir, P:86
21. Kuliyat e Munir Niazi, Saat Sayyar, P:37
22. Ibid
23. Ibid, P:38
24. Kuliyat e Munir Niazi, Dushmano k Darmiyan Shaam, Lahore: Khazina Ilm o Adab, 2002, P:45
25. Ibid: P:53
26. Kuliyat e Munir Niazi, Saat Sayyar, P:47